اسلام اور مغرب

مستقبل کا اکثریتی مذہب

ترجمہ : **مسلم سجاد**

یہ تحریر' پی جے اسٹیورٹ کی کتاب' Unfolding Islam کے آخری باب کا کسی کسی جگہ اختصار کرتے ہوئے ترجمہ ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کی وکالت کی ہے لیکن ساتھ ہی مسلمانوں سے یہ توقع بھی کی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی "اصلاح" پر آمادہ ہوں۔ اس کے نزدیک سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا قرآن و سنت کو ہر دور کے لیے راہ نما تسلیم کرنا ہے۔ اسے تصوف میں امید کی روشنی نظر آتی ہے جو قرآن کے الفاظ کو نہیں' مفہوم کو اہمیت دیتا ہے۔ مضمون کا آغاز اضافہ آبادی کے مسئلے سے ہوتا ہے اور اختتام پر بھی اس نے توقع ظاہر کی ہے کہ جب اسلامی قوتوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے تو وہ سب سے پہلے آبادی کی فکر کریں۔ مصنف نے reform (اصلاح) تجدد کے لیے اور Theopoliticists (مذہبی سیاسیین) احیائے اسلامی کی تحریکوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ (م س)

اس کرہ ارض پر بسنے والوں کے مستقبل کے لیے' مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر ردعمل کا اظہار کرتے ہیں' اس لحاظ سے باہر کی طاقتیں ان کے رویوں پر اثرانداز ہو سکتی ہیں۔ یہ سب کے مفاد میں ہے کہ ناانصافی اور ظلم سے مسلمانوں کو اتنا نہ دھکیل دیا جائے کہ وہ اپنے دفاع میں پر تشدد ہو جائیں۔ اخلاقی حوالوں سے قطع نظر' غیر مسلموں کو محسوس کرنا چاہیے کہ اسلام دنیا کا اکثریتی مذہب ہونے والا ہے۔

مسلمان ممالک میں' آبادی میں اضافے کی شرح ۲.۵ فی صد ہے جبکہ دنیا میں یہ رفتار بحیثیت مجموعی ۱.۷ فی صد ہے' یعنی دنیا کی آبادی میں ان کا حصہ ۰.۷۹ فی صد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۸۸ میں دنیا کی پانچ ارب آبادی میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً ۹۸ کروڑ تھا۔ اگر دونوں اضافوں کی شرح کی نسبت یہی رہے (خواہ دونوں میں کمی ہو) تو ۲۱۱۰ تک' مسلمان دنیا کی کل آبادی میں' اکثریت میں ہوں گے۔ اس حساب میں اسلام قبول کرنے والوں کا شمار نہیں کیا گیا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خوش حالی کے ساتھ پیدائش کی شرح میں کمی آتی ہے لیکن تیل کی دولت سے مالا مال سعودی عرب' لیبیا اور خلیجی ریاستوں میں کئی برس

سے فی کس آمدنی میں غیر معمولی اضافے کے باوجود آبادی میں تیز رفتار اضافہ ہو رہا ہے۔ یقیناً اس میں اس بات کا دخل ہے کہ مسلمان خاندان کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ مسلمان' بچوں کے مقابلے میں' مادی آسایشوں کو' غیر مسلموں کے مقابلے میں' کم ترجیح دیتے ہیں اور مسلمان خواتین عائلی زندگی کو کیریر پر کم تر قربان کرتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں ہی تجرد کے خلاف اسلامی تعلیم کو تسلیم کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم ممالک میں آبادی میں کمی کی رفتار تیز ہونے کا امکان ہے۔ مغربی ممالک میں شادی کے قوانین یک زوجگی پر مبنی ہیں نیز غیر شادی شدہ حالت میں زندگی گزارنے اور مادی آسایشوں کی ترجیح کی وجہ سے بہت سے نوجوان شادی اور اولاد سے احتراز کرتے ہیں۔ اب تو اسپین اور اٹلی جیسے کیتھولک ممالک میں بھی آبادی ایک سطح پر ٹھہر گئی ہے۔ چین اور بدھ ممالک میں بھی شرح تیزی سے گر رہی ہے۔ بھارت بھی پیچھے نہیں ہے۔ عصر حاضر میں متعدد عناصر اضافہ آبادی کے خلاف کام کرتے ہیں جیسے جنگیں' ایڈز جیسی بیماریاں اور آلودگیاں' لیکن اسلامی دنیا میں مستحکم خاندان اور محدود پیانے پر کثرت ازدواج اضافہ آبادی میں کمی کے خلاف موثر دفاع ہیں۔

قبول اسلام کی وجہ سے اسلام کے اکثریتی مذہب بننے کی تاریخ قریب آسکتی ہے۔ قبول اسلام کے مستند عالمی اعداد و شمار دستیاب نہیں لیکن مقامی مطالعوں سے پتا چلتا ہے کہ اضافہ مسلسل ہو رہا ہے' خصوصاً افریقہ میں۔ یورپ میں بھی یہ اس رفتار سے ہے جیسے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ امریکہ کی نیشن آف اسلام میں بھی مبلغین درست عقائد کی تبلیغ میں کامیاب ہیں۔ دوسری طرف بدھ' ہندومت' عیسائیت کسی بھی مذہب کے ماننے والوں میں آبادی میں اضافے کے زیادہ امکانات نہیں ہیں۔ اسلام میں بچے پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کے اثرات تعداد ہی پر نہیں کیفیت پر بھی ہیں۔ تمام مسلمان مذہبی رہنماؤں نے عام طور پر شادی کی ہے' ان کی اولاد میں سے بیشتر نے اپنے والدین کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔

اب مسئلہ یہ نہیں رہا ہے کہ مسلمان دنیا کے سب سے بڑے مذہبی گروہ بن جائیں گے بلکہ یہ ہے کہ جب وہ بنیں گے تو کس قسم کے اسلام پر عمل کر رہے ہوں گے۔ کیا وہ ان ملکوں کے "مصلحین" (متجددین) کی پیروی کریں گے جن کی تقدیر باقی دنیا کی تقدیر سے قریب تر ہوتی جائے گی (باقی دنیا سے مراد لازماً آج کی باقی دنیا نہیں ہے)' یا وہ قدامت پسند "مذہبی سیاسیین" عناصر (احیائی تحریکوں) کے زیر نگیں آنے کو ترجیح دیں گے' یا کوئی تیسرا امکان بھی ہے۔ اسلام کی "اصلاحی" تحریکوں کا آغاز اس وقت ہوا جب مغربی تہذیب ناقابل تسخیر سمجھی جاتی تھی۔ محمد عبدہ' اور ان کے پیروکار اس بات کو یقینی بنانا چاہتے تھے کہ انسانی ترقی کے اس مرحلے پر مسلمان اس کا اہم جزو ہوں بلکہ قائد ہوں۔ "سیاسی مذہبی تحریکیں" ایک صدی بعد سامنے آئیں جب مغربی ماڈل سے بے اطمینانی عام ہو چکی تھی (مغرب میں بھی)۔ خمینی اور دوسرے

جنگ جو اسلام کو مادیت پرستی سے بچانا چاہتے تھے۔

کچھ نہ کچھ سچائی دونوں طرف ہے۔ "مصلحین" یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ مذہب کو مستقبل میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی کامیابی کا لحاظ کرنا چاہیے۔ جو بھی کمپیوٹر، ٹیلی مواصلات اور جدید اسلحہ استعمال کرنے کو تیار ہے، اسے حقائق کے سائنسی احترام کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ دوسری طرف "مذہبی سیاسیین" یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ انسان صرف روٹی پر گزارہ نہیں کر سکتا۔ انسان ہر چیز میں معانی اور مطلب تلاش کرتا ہے اور وہ یہ قبول نہیں کر سکتا کہ زندگی بے معنی حادثوں کا مجموعہ ہے۔ ہماری نوع اس لحاظ سے منفرد ہے کہ بے معنی زندگی سے فرار کے لیے خودکشی بھی کرتی ہے اور کسی مقصد کی بقا کے لیے شہادت کا راستہ بھی اختیار کرتی ہے۔ اگر مذہب، نفس اور اس کی مادی ضروریات سے بلند ہونے کا نام ہے تو کافی شہادت موجود ہے کہ مذہبی جذبہ آفاقی ہے اور اس کا اظہار حکومت میں بھی ہونا چاہیے۔ "مصلحین" کی قیمت پر "مذہبی سیاسیین" کی مقبولیت کی وجہ محض مادہ پرست حکومتوں سے بے اطمینانی کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی کامیابی کی اصل یہ ہے کہ انھوں نے طاقت ور حکومتوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے آپ کو زیادہ پرجوش مسلمان ظاہر کیا ہے اور قید و بند، ٹارچر اور موت تک کو قبول کیا ہے۔ مسلمانوں کی طویل تاریخ میں ظالم حکومتوں کے ہاتھوں عظیم مسلمانوں پر ظلم و جبر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

موجودہ کش مکش تیسری صدی کے معتزلہ اور ابن حنبل کے پیروکاروں کی کش مکش سے مشابہ ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو یورپی طرز فکر درآمد کرنا چاہتے ہیں جبکہ دوسری طرف کے لوگ ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے قابل عمل ازلی ابدی قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ یقیناً واضح فرق بھی ہے۔ آج کے مسلم ممالک اس وقت کی طاقت ور عباسی سلطنت کی مقابلے میں کمزور اور منتشر ہیں۔ جدید سائنس و ٹیکنالوجی، یونانی فلسفے کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہیں اور آج کے مذہبی سیاسیین کے سیاسی عزائم ابن حنبل سے زیادہ ہیں۔

لیکن سب سے اہم مسئلہ جو پہلے کی طرح آج بھی عقلیت پرستوں اور مذہبی رہنماؤں کے درمیان خلیج پیدا کرتا ہے اور جس کے حل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ قرآن کے ہر دور کے لیے قابل عمل ہونے کا مسئلہ ہے۔ اس عقیدے میں تقدیر پر اعتقاد اور ایک ناقابل تغیر قانون پر یقین مضمر ہے جس سے آزاد رائے کے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر عقلیت پسند اور مذہبی سیاسی موقف ایک نہیں ہو سکتے۔ عقلیت پرست اس بات کو بے معنی قرار دیتے ہیں کہ کوئی ہستی جو ہماری وسیع کائنات کو قائم کیے ہوئے ہے، اس نے کسی وجود کے بھی قیام سے پہلے کرہ ارض پر چند لوگوں کی زبان میں ایک ابدی پیغام دے دیا۔ زبان کا جو مفہوم ہم سمجھتے ہیں، اس میں الفاظ کا مفہوم اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ وہ جس چیز کو بیان کر رہے ہیں وہ

موجود ہو۔ "مذہبی سیاسیین" جواب دیتے ہیں کہ اگر اسلام کا پیغام ابدی نہیں ہے تو پھر اسے کوئی چیز چند مبہم رجحانات کا مجموعہ بننے سے نہیں روک سکتی۔

بہرحال، باہم اشتراک کے لیے کچھ بنیادیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ عقلیت پسند تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ سچائیاں ناقابل تغیر ہو سکتی ہیں اور انسان انھیں دیکھنے اور بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ "مذہبی سیاسیین" قرآن کی تفاسیر میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کی تفصیلات بیان کرتے ہیں یعنی تسلیم کرتے ہیں کہ مفہوم کے لیے سیاق و سباق ضروری ہے۔ جو چیز دونوں فریقوں کو قریب آنے سے روکتی ہے وہ شاید یہ ہے کہ دونوں مسئلے کو لفظی اور سطحی انداز سے دیکھتے ہیں۔ تیسرا نقطہ نظر جو بحث کو علامتی سطح پر اٹھائے، سامنے نہیں آتا۔

تصوف تیسری صدی کی کش مکش میں بھی بحث کا موضوع نہیں تھا، اور آج بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ ایک عوامی تحریک کی حیثیت سے اس کی ناکامی تھی۔ مصلحین اور مذہبی سیاسیین دونوں ہی نے اسے مسترد کیا۔ دونوں ہی کو اس کی بلند تر سطح سے خطرہ تھا۔

اگر مصلحین یا "مذہبی سیاسیین" اپنے مخالفین کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کا امکان کم ہے، تو اسلام میں کمی واقع ہو جائے گی۔ مذہب کو اپنی مکمل شکل میں آنے کے لیے ضرورت ہے کہ اپنے تین تاریخی اجزا میں نئے توازن تلاش کرے۔ عقل و دانش کے ساتھ دیانت، ماضی کے ساتھ وفاداری اور روحانی تجربوں کی بلندیوں کے لیے قبولیت۔ اس کام میں تصوف کا احیا اہم کردار ادا کر سکتا ہے، تصوف (جو صوفیا کی گرفت سے آزاد ہو)۔ قرآن کے ابدی ہونے کے مسئلے کا حل شاید صوفیوں کے پاس ہو اس لیے کہ وہ متن کے احترام کے ساتھ علامتی مفہوم کا بھی احترام کرتے ہیں جو الفاظ کے علاوہ ہے اور زمان و مکاں سے آزاد ہے۔

دنیا کے حالات مذہب کے لیے ایک نیا احترام پیدا کر رہے ہیں۔ سائنس دان تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ اس عجیب کائنات کی ہر چیز کی وضاحت نہیں کر پاتے۔ ماہرین عمرانیات اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہ انسانی تخلیق اور شعور کے رازوں کی وضاحت نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ ماہرین حیاتیات اس عقیدے کو ترک کرنے پر آمادہ ہیں کہ زندگی کے حیرت انگیز مظاہر کائنات کے کسی حادثے کا نتیجہ ہیں۔

سیاست میں ایک پر مسرت دنیا کی تعمیر کے لیے طریقوں اور اداروں پر اعتماد ختم ہو رہا ہے۔ جمہوریت، عدل یا انسانیت کی ضمانت نہیں دیتی، یہ صرف اکثریت کے اقتدار کا اظہار ہے۔ انتخابات جمہوریت کی ضمانت نہیں، اکثر، اقلیت کو اقتدار مل جاتا ہے۔ اگر ایک بہتر دنیا تعمیر ہونی ہے تو یہ کسی مثالی نظام کے ذریعے نہیں بلکہ بڑی تعداد میں انسانوں کی اخلاقی اصلاح سے ہی ممکن ہے۔

معاشیات میں اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت' دونوں' غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کر سکتے' جو ہماری دنیا کا سب سے بڑا اسکینڈل ہے۔ افراط زر اور کساد بازاری کا چکر جو ہر ملک میں بہت سے لوگوں کے لیے تباہی لاتا ہے' ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کا تجارت اور مالیات کا نظام غریب ممالک کے غریبوں کو مستقل غربت کا شکار بنا دیتا ہے۔ اب ماہرین معاشیات تسلیم کرتے ہیں کہ معاشی نظام کا انحصار اس پر ہے کہ انسانی ضروریات کے بارے میں' مسرت کی شرائط کے بارے میں اور فرد اور اجتماع کے تعلقات کے بارے میں' افراد کے عقائد کیا ہیں۔ بہتری کی امید اسی صورت میں کی جا سکتی ہے کہ معاشی رویوں کو اخلاقی حس کنٹرول کرے۔

خیالات کی اس نئی فضا میں "مصلحین"' "مذہبی سیاسیین" اور صوفیا کو ایک مشترک بنیاد تک پہنچنا آسان ہونا چاہیے۔ ایک تجدد زدہ اسلام کو موجودہ سائنس' سیاست اور معیشت کی تقلید کو ترقی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ایک مذہبی سیاسی تحریک کو مغرب سے آنے والے تمام خیالات کا دشمن نہیں ہونا چاہیے۔ اور ایک نو تشکیل شدہ تصوف گہرے مذہبی احساس کو قرآن و سنت کی استعاراتی تفہیم کے ساتھ یکجا کرنے کا راستہ پیش کرتا ہے۔ اس مشترک بنیاد تک پہنچنے کے لیے ہر فریق کو دوسرے کے خلاف تشدد ترک کرنا ضروری ہے۔ سیاسی مذہبی تحریکوں کو کچلنا منفی نتائج لاتا ہے' شہید بناتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ حکومت صرف طاقت کے ذریعے مسلط ہے۔ لیکن ساتھ ہی مذہبی سیاسی رہنماؤں کو اپنے پیروکاروں کو برابر یاد دلانا چاہیے کہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل کی مذمت کرتا ہے اور قرآن و سنت دوسرے مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کی دعوت نہیں دیتے۔ اگر کہیں جنگ ہو جائے تو انھیں ان قواعد کو یاد دلانا چاہیے جن کا اطلاق پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں جنگ لڑنے والوں پر کیا جاتا تھا۔

بیرونی دنیا کو اسلامی دنیا کے اندرونی جھگڑوں میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔ جہاں اکثریت مذہبی سیاسی حکومت چاہتی ہے' مثلاً الجزائر' وہاں یہ تجربہ کرنے دینا چاہیے تاکہ ملک چلانے کے مشکل حقائق پر نظریات کو جانچا جا سکے جیسے ایران میں ہوا۔ جلد ہی واضح ہو جائے گا کہ سیاسی مذہبی تحریکوں کے ظاہری اتحاد کے پردے میں مختلف سیاسی نظریات چھپے ہوئے ہیں۔ جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی تنازع ہو' جیسے اسرائیل اور فلسطین' سابق یوگوسلاویہ یا کشمیر' تو بین الاقوامی برادری کو انصاف کے انھی اصولوں کا اطلاق کرنا چاہیے جو وہ دوسرے تنازعات میں کرتے ہیں۔

دنیا پر اثر و رسوخ میں مناسب حصہ اور امن و امان فراہم ہونے پر اسلام اپنی خود اعتمادی حاصل کرے گا اور عقل' روایت اور داخلیت کے تاریخی اشتراک کا احیا ہو گا۔ بہت سے کام ہیں جن میں وہ حصہ ادا کر سکتا ہے۔ سب سے اہم یہ ہے کہ دنیا کی آبادی میں اضافے کو روکا جائے۔ عائلی زندگی کی حوصلہ افزائی ایک

طاقت ہے لیکن اگر تعلیم کے مواقع کم کر دیے جائیں، اگر وسائل ناکافی ہو جائیں تو یہ ایک کم زوری میں بدل جائے گی۔ اکثر مسلمان اہل علم ضبط ولادت کو فیملی پلاننگ کا جائز ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بلند شرح پیدائش، خواتین کی تعلیم کی کم سطح کا نتیجہ ہے۔ یہ بات اسلامی نہیں ہے، بلکہ جو تہذیب قرآن پر مبنی ہے وہ خواندگی کو اعلیٰ مقام دیتی ہے۔ شاید خوارج دنیا کے پہلے لوگ تھے جنھوں نے اپنی تمام بیٹیوں کو تعلیم دلوائی۔ اگر مسلمان مرد اپنی عورتوں کو مساوی نہیں سمجھتے تو یہ وہ بات ہے جو مردوں نے ہر جگہ کی ہے۔ یہ اعتماد کرنا چاہیے کہ مسلمان خواتین مساوی مواقع کو اپنے طور پر استعمال کریں گی اور اس میں وہ مغربی آزادی پسند خواتین کے مقابلے میں زیادہ دانش کا مظاہرہ کریں گی جنھوں نے مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

دنیا کی آبادی کو کم کرنا، ان مسائل کا صرف ایک پہلو ہے جو ہماری نوع نے دنیا کے لیے پیدا کر دیے ہیں۔ معدنیات، پانی، مٹی، پودے اور جانوروں کے وسائل کا طویل مدت مستقبل ان کے مناسب استعمال پر منحصر ہے۔ اسلام کا پیغام واضح ہے، گو اس پر ماضی میں عمل نہیں کیا گیا۔ قرآن لوگوں کو بار بار دعوت دیتا ہے کہ وہ اس دنیا کا مشاہدہ کریں اور شکر کے جذبے کے ساتھ ساتھ اس کے تحفظ کی فکر کریں۔ وہ کائنات کے عجائب کو ایک یاد دہانی قرار دیتا ہے (ق ۵۰: ۸)۔ وہ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ جو چیزیں زمین پر چلتی ہیں یا پروں سے اڑتی ہیں تمھاری طرح کی آبادیاں ہیں (الانعام ۶: ۳۸)۔ یہ ان کو دعوت دیتا ہے کہ کھائیں پئیں، لیکن اسراف نہ کریں (الاعراف ۷: ۳۱)، وہ انھیں متنبہ کرتا ہے کہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے بر و بحر میں فساد ظاہر ہو گیا ہے (الروم ۳۰: ۴۱)۔

یہ سب اسلام کے مرکزی پیغام کے مقابلے میں ثانوی چیزیں ہیں۔ مرکزی پیغام ہے: خدا کی وحدانیت، عظمت، رحم۔ وہ خدا جس کی نعمتیں، نسل، جنس، عمر یا طبقے کی تفریق کے بغیر ہر زمانے اور ہر جگہ، ہر ایک کو براہ راست فراہم ہوتی ہیں، ایک کٹر ملحد کو بھی ایسے عقیدے سے متاثر ہونا چاہیے۔ دنیا کو مسلمانوں سے محبت اور احترام کا سلوک کرنا چاہیے۔

(Unfolding Islam by P.J. Stewart, Garnet Publishing, Reading, U.K. 1994)